

بیہ کی شرعی حیثیت

محمد اکرم خاں

فکرونظر ج ۲۱ شماره ۷ فروری ۱۹۸۴ء میں اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن جناب عبدالمالک عرفانی صاحب کا ایک مقالہ ”بیہ کی شرعی حیثیت“ سے متعلق طبع ہوا تھا۔ زیر نظر مقالہ میں عرفانی صاحب کی آراء سے اختلاف کیا گیا ہے جو قارئین کے استفادے کے لئے پیش خدمت ہے۔ (ادارہ)

اول۔ جن لوگوں نے بھی رائج الوقت بیہ پر اعتراضات کئے ہیں ان میں قریباً قریباً سب میں اس امر پر اتفاق ہے کہ بیہ کا تصور بذاتہ غیر شرعی نہیں ہے بلکہ اس کی رائج الوقت شکل قابل اعتراض ہے۔ چنانچہ اس کی اصلاح کیلئے جو تجاویز دی گئی ہیں، جناب عرفانی صاحب نے ان تجاویز کو مروجہ بیہ مان کر شریعت سے اس بیہ کے جواز کی سند پیش کر دی ہے، اور مروجہ بیہ میں جو قباحتیں ہیں ان سے یک سر صرف نظر فرمایا ہے،۔

دوم۔ عرفانی صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ ”بیہ تعاون و تکافل کی ایک قانونی اور منظم شکل ہے، جس کے ذریعہ ہزاروں بلکہ لاکھوں افراد ایک دوسرے کے نقصانات کی تلافی کیلئے ایک نظام کے تحت کام کرتے ہیں۔ یہ بات بیہ کے اصول اور نظریہ کے طور پر کہی جا سکتی ہے، اور اگر مروجہ بیہ فی الواقع ایسا ہی ہو

تو شاید ہی کسی کو اس پر اعتراض ہو، لیکن حقیقت واقع یہ نہیں ہے، بیمہ کی مروجہ شکل تعاون و تکافل کے نظام کی نہیں ہے بلکہ یہ خالصۃً ایک تجارتی معاملہ ہے، بیمہ کمپنی ایک لمیٹڈ کمپنی کی شکل میں ایک »قانونی شخصیت« ((Legal Person)) کی طرح وجود میں آتی ہے، یہ ہر ایک بیمہ کار کے ساتھ علیحدہ علیحدہ دو طرفہ (Bilateral) معاہدہ کرتی ہے، کوئی ایک بیمہ کار کسی دوسرے بیمہ کار سے کسی اخلاقی یا قانونی رشتے میں وابستہ نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی طرح سے نقصان کی تلافی کا پابند ہوتا ہے۔ بیمہ کمپنی ہی نقصان کی تلافی یا بیمہ کی رقم دینے کی پابند ہوتی ہے، بیمہ کمپنی کے حصہ دار اس کمپنی کے مالک ہوتے ہیں جنہوں نے ضروری نہیں کہ بیمہ پالیسی خود بھی خریدی ہو، یہ مالکان کمپنی کے منافع جات اور اثاثہ جات کے مالک ہوتے ہیں، بیمہ کمپنی سال کے بعد اپنے نفع و نقصان اور اثاثہ جات کے گوشوارے اسی طرح شائع کرتی ہے جس طرح سے کوئی دوسرا کاروباری ادارہ۔ غرضیکہ بیمہ کے نظام کو تعاون و تکافل کا نظام کہنا حقائق سے چشم پوشی ہے۔ البتہ علماء نے اسے ایسا بنانے کے بارے میں تجاویز دی ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں دارالمال الاسلامی نے »اسلامی تکافل« کے نام سے جو کمپنیاں قائم کی ہیں وہ نظام تعاون و تکافل ہی کی بنیاد پر قائم ہوئی ہیں۔

سوم۔ عرفانی صاحب نے بہت سے شواہد کی بنا پر یہ رائے پیش کی ہے کہ بیمہ کا مروجہ کاروبار قمار نہیں ہے، یہ رائے بھی محل نظر ہے، کیونکہ قمار اور بیمہ میں جو امتیازی نشان گنائے گئے ہیں وہ قمار کی اصل روح (Essence) سے صرف نظر کر کے بیان کئے گئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ »قمار کھیل ہے«، یہ اس کی روح نہیں،

کیونکہ کھیل تو بہت سے ہوتے ہیں لہذا قمار کو صرف کھیل کہیں تو اسے تمیز نہیں کیا جا سکتا۔ ”قمار تضييع اوقات کا باعث ہے“ یہ بھی امتیازی نشان نہیں ہو سکتا، کیونکہ تضييع اوقات کے ذرائع بے شمار ہو سکتے ہیں۔ ”قمار میں خطرہ عموماً فریقین کے عمل سے پیدا ہوتا ہے“ یہ بھی ٹھیک نہیں ہے، بے شمار کام ایسے ہو سکتے ہیں جن میں فریقین کے عمل سے ایک دوسرے کے لئے خطرہ ہو لیکن وہ قمار نہیں ہوتے، جیسے دو کاروباری اشخاص کا ایک دوسرے کو نقصان کی نیت سے کوئی اقدام کرنا۔ ”قمار میں تعاون و تکافل کا شائبہ تک نہیں ہوتا“ دنیا میں لاکھوں کام ایسے ہو سکتے ہیں جن میں لوگ تعاون و تکافل نہیں کرتے، تب کیسے پہچانا جائے کہ قمار کیا ہے۔ علیٰ هذا القياس۔

اصل بات یہ ہے کہ ہمیں قمار کے معاہدات کی روح پہچاننا چاہیئے۔ آئیے دیکھیں کہ قمار کا لغوی معنی کیا ہے: ”یہ ایک ایسا معاہدہ ہوتا ہے جس میں ایک فریق دوسرے کو کچھ رقم دینے کا اقرار کرتا ہے اگر کوئی غیر یقینی واقعہ پیش آ جائے“ (ملاحظہ ہو آکسفورڈ انگلش ڈکشنری: لفظ WAGER) اور ٹھیک یہی معاملہ موجودہ بیمہ کا ہے۔

اس کے جواب میں جناب عرفانی صاحب فرماتے ہیں: ”یہ اعتراض درست نہیں کیونکہ معاہدہ بیمہ تعاون و تکافل کا معاہدہ ہے اور اس سلسلے میں جو رقوم دی جاتی ہیں ان کی حیثیت تبرع کی ہے۔ یہ بات سرتاسر خلاف حقیقت ہے، مروجہ بیمہ میں کوئی کسی سے تعاون نہیں کرتا۔ جو رقوم ایک بیمہ کار دیتا ہے وہ (بیمہ زندگی کی شکل میں) اگر بیمہ کار مقررہ عمر کے بعد بھی زندہ رہے تو مع

سود واپس لے لیتا ہے ، وہ کس سے تبرع کرتا ہے ؟

اس سلسلے میں عرفانی صاحب نے ایک بات یہ بھی فرمائی ہے :
تبرعات میں تعلیق معاہدہ کرے بطلان کا باعث نہیں بنتی ، معاہدہ مضاربت ، معاہدہ استصناع ، معاہدہ بیع سلم ، اور معاہدات قرض ، ابداع ، شراکت ، اعارہ ، رهن ، اجارہ کفاله اور مزارعت میں تعلیق کا وجود پایا جاتا ہے اس کے باوجود انہیں جائز سمجھا گیا ہے لہذا بیمہ کو محض تعلیق کی وجہ سے باطل قرار نہیں دیا جا سکتا ۔
یہ تو کوئی بھی نہیں کہتا کہ بیمہ تعلیق کی وجہ سے ناجائز ہے ، اصل بات یہ ہے کہ یہ ایک غیر یقینی امر پر معلق ہے ۔ دیگر معاہدات جن کی مثال دی گئی ہے وہ غیر یقینی امر پر نہیں حتمی امور پر معلق ہوتے ہیں ، لہذا اصل بات تعلیق نہیں بلکہ وقوعہ کے اتفاقی ہونے کی ہے ۔

چہارم ۔ عرفانی صاحب فرماتے ہیں : ” معاہدہ بیمہ میں قسط بیمہ کی واپسی شرط نہیں ہوتی بلکہ نقصان کی تلافی شرط ہوتی ہے ، جو بھر صورت پوری ہوتی ہے “ یہ بات بھی درست نہیں ہے ، زندگی کے بیمہ میں Endowment پالیسی کی یہ شرط ہوتی ہے کہ اگر مقررہ عمر کے بعد بھی بیمہ کار زندہ رہے تو اس کی تمام اقساط مع سود کے واپس ہو جائیں گی ۔

اس صورت میں بیمہ کار کو تحفظ تو اثنائے بیمہ میں ملا رہا ، اب عرفانی صاحب کے فارمولے کے مطابق اسے اس کی رقم واپس نہیں ملنا چاہیئے ، لیکن امر واقع یہ نہیں ہے ۔

پنجم ۔ بیمہ کمپنیوں کی آمدنی کا ایک بہت بڑا حصہ ان اقساط بیمہ کی ضبطی کی شکل میں ہوتا ہے جن کے بیمہ کار اقساط

کی ادائیگی جاری نہ رکھ سکے ، یہ ضبطی بدیہی طور پر اکل بالباطل ہے ، اس کو کسی طرح جائز قرار نہیں دیا جا سکتا ، عرفانی صاحب اس پر خاموش ہیں ۔

ششم ۔ بہت سے بیمہ کار ایک خاص حد سے زیادہ اقساط ادا کر چکے ہیں اور بعد میں جاری نہیں رکھنا چاہتے تو بیمہ کمپنی ان کو ان کی اقساط کا ایک حصہ Cash Surrender Value کے طور پر واپس دے دیتی ہے ، اور باقی خود لے لیتی ہے ۔ یہ بھی اکل بالباطل ہے ، اس معاملہ میں بھی جناب عرفانی صاحب نے کوئی رائے نہیں دی ۔

ہفتم ۔ عرفانی صاحب فرماتے ہیں : معاہدہ بیمہ میں بیمہ دار اور بیمہ کمپنی میں دونوں فریقوں کے معاہدہ کے موقع پر مندرجہ ذیل امور کا یقینی طور پر علم ہوتا ہے :

۱ ۔ قسط کی رقم

۲ ۔ زندگی کے بیمہ میں رقم بیمہ (ص ۱۵) نیز اس میں عذر

نہیں ہے ۔

یہ بات ٹھیک نہیں کیونکہ بیمہ میں یہ پتہ نہیں ہوتا کہ کتنی قسطوں کی ادائیگی کے بعد بیمہ کی رقم واجب الادا ہو جائے گی ، یہی چیز اس معاملہ کو عذر کا معاملہ بنا دیتی ہے ۔

ہشتم ۔ فرماتے ہیں : بیع میں اصل چیز (Subject of Sale) مبیع ہے جو غیر یقینی ہو تو عذر واقع ہوتا ہے ، (ص ۱۶) یہ بھی پوری بات نہیں ہے ، اگر ثمن غیر یقینی ہو تو کیا عذر واقع نہ ہوگا ؟ بیمہ میں قابل بیمہ مفاد (Insurable Interest) کو مبیع مان لیا جائے اور یقینی بھی ، تو بھی اس کی قیمت (ثمن) میں عدم تعین ہے ، یعنی پتا نہیں کتنی قسطیں اس کی قیمت ٹھہریں ۔ یہ چیز معاہدہ کو عذر

بنا دیتی ہے۔

نہم - عرفانی صاحب فرماتے ہیں بیمہ بیع سلم سے مماثلت رکھتا ہے (بشرطیکہ بیمہ کو معاہدہ معاوضہ تصور کیا جائے) کیونکہ بیمہ میں اقساط بیمہ یا قسط بیمہ تو ادا ہو جاتی ہے ، رقم بیمہ ملتوی ہوتی ہے بیع سلم میں ثمن ادا ہو جاتا ہے مبیع کا سلم ملتوی ہوتا ہے۔ یہ مماثلت بھی محال ہے ، مال کرے بیمہ میں اگر حادثہ نہ ہو تو رقم بیمہ کبھی بھی نہیں ملتی ، یعنی مبیع کا سلم ہوتا ہی نہیں۔ دوسرے یہ کہ یہاں پر موصوف نے رقم بیمہ کو مبیع مانا ہے۔ جبکہ اس سے پہلے قابل بیمہ مفاد کو مبیع قرار دیا ہے اس طرح سے کچھ الجھن سی پیدا ہو گئی ہے۔

دہم - فرماتے ہیں » سود معاہدہ بیمہ کا جزو نہیں ہوتا ، معاہدہ بیمہ میں کوئی شرط یا اس کا کوئی رکن سود سے متعلق نہیں ہوتا۔ « لیکن یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ بیمہ کمپنیاں بیمہ کاروں کے سرمایہ کو سود پر لگاتی ہیں ، اور اس میں سے کچھ سود خود بیمہ کاروں کو بھی دیتی ہیں ، اس حقیقت سے صرف نظر کر کے کسی قانونی ہوشگافی کے سہارے پر یہ نہیں کیا جا سکتا۔

یازدہم - فرماتے ہیں - » لیکن اگر اسے (سود) کو معاوضہ سمجھا جائے تو بھی معاوضہ میں اس طرح کی ادائیگی (اس کے مآخذ سے قطع نظر) جائز ہوتی ہے جیسے کوئی پیشہ ور فاحشہ عورت اپنا مکان بنوائے تو مستریوں اور مزدوروں کو جو معاوضہ دیا جائے گا وہ ان کے لئے جائز ہوگا « انفرادی سطح پر تو شاید یہ فتویٰ درست ہو لیکن اجتماعی طور پر اس کا مطلب معاشرے میں سود کے چلن کو روا رکھنا ہوگا جو کہ مقاصد شریعت سے متصادم ہے۔

دوازدھم - بیمہ کو ربا الفضل کا معاملہ قرار دیا گیا ہے (لیکن عرفانی صاحب نے اس اعتراض کا سامنا نہیں کیا) کیونکہ اس میں جنس (زر) کے بدلے جنس (زر) کا تبادلہ نسیئہ اور تفاضل کے ساتھ پایا جاتا ہے ، (زندگی کے بیمہ میں اگر بیمہ کار کی موت مقررہ مدت کے اندر نہ ہو تو بیمہ کمپنی اقساط مع سود واپس کرتی ہے) -

سیزدھم - مسئلہ وراثت کی خلاف وزری کے سلسلہ میں فرماتے ہیں - ” زندگی کے بیمہ کی جملہ اقساط میں جو رقم بیمہ ، بیمہ دار یا اس کے نامزد شخص کو دی جاتی ہے وہ اس کی حقیقتاً و قانوناً ملکیت شمار نہیں ہوتی ، اس لئے اس میں وراثت کا عمل واقع نہیں ہو گا ، یہ تعاون و تکافل کے طور پر دی ہوئی رقم ہے اور بیمہ دار اپنے بعد جس شخص کو تعاون و تکافل کا مستحق سمجھتا ہے اس کو نامزد کر دیتا ہے اور بیمہ کمپنی بیمہ دار کی موت کے بعد اسے وہ رقم ادا کر دیتی ہے “ (ص ۲۲) -

موصوف نے ہبۃ اور وصیۃ کو گڈ مڈ کر دیا ہے ، ہبۃ میں ملکیت موہوب الیہ کی طرف زندگی میں ہی منتقل کرنا ضروری ہوتا ہے ، زندگی کے بعد تو وصیۃ ہو سکتی ہے جو کہ ایک تنہائی سے زائد نہ ہو اور وارث کے حق میں نہ ہو ، مروجہ بیمہ ان شرائط شرعیہ کا پابند نہیں ہے -

چہاردھم - آخر میں انہوں نے عمل کو نیت پر فوقیت دینے کی بات کی ہے جو کہ دین کے مبادیات سے ٹکراتی ہے ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح ارشاد کے بعد کئے اعمال کا دارومدار نیت پر ہے ، کسی فقہی موشگافی کی بنا پر اصل اعتبار اعمال کا قرار دینا ایک ناقابل قبول دلیل ہے -

